File No 3
21

سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۴۷

دسویں امام

مصنفہ

سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقیؑ النقوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ر

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

کا سنتالیسواں تبلیغی رسالہ "دسویں امام" حضرت علی نقی علیہ السلام کے حالا
آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ رسالہ لکھنؤ امامیہ مشن سے زیر نمبر ۱۰۴ شائع ہو چکا
یہ وہ امام ہیں جن کی عمر شریف اپنے پدر بزرگوار امام محمد تقی علیہ السلام کی شہاد
کے وقت صرف چھ برس پانچ ماہ تھی اور خلافتِ الٰہیہ کا کمال و اعجاز یہ ہے کہ
کم سنی کے عالم میں آپ نے فرائضِ امامت اس کامیابی سے ادا فرمائے کہ چھ جا
بادشاہوں کے دورِ حکومت میں اپنی برتری اور روحانی حکومت کا کلمہ پڑھوانے
الحمد للہ کہ کارکنانِ مشن چہاردہ معصومین کی مختصر سوانح حیات ش
کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ زیر نظر رسالہ حضرت امام محمد تقی علیہ ال
سے متعلق ہے سرکار سید العلماء مدظلہ نے انتہائی اختصار کے باوجود ضرو
کے سمندر کو سمیٹ کر کوزہ میں بند کر دیا ہے جس کیلئے قوم انکی ممنونِ احسان ہے۔
ابنائے ملت سے اپیل ہے کہ اس قلیل القیمت اور کثیر المنافع رسالہ کی توسیع اش
میں امکان بھر کوشش فرمائیں۔ ناواقف حضرات تک پہنچانے کیلئے مجالس و محاف
بطور تبرک تقسیم کریں۔ اس صورت میں سو رسائل (کوئی ایک یا ملا کر) کی خریداری پر پچیس ف
رعایت دی جاتی ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ اپیل صدا بصحرا ثابت نہیں
آپ اپنے اپنے ماحول میں مفت تقسیم کا اہتمام فرمائیں گے جو نہ صرف کارکنانِ
کیلئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا بلکہ اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کا مقدس
بھی ادا ہو سکے گا۔ جو یقیناً خوشنودیٔ خدا کا باعث ہوگا۔

(جنرل سیکریٹری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین

آلِ رسولؐ میں سے ہر ایک فرد جو مسلمانوں کا سچا رہنما بن سکتا تھا اپنے زمانہ کی سلطنت کے ظلم و تعدی کا نشانہ رہا۔ اس کے باوجود انھوں نے شریعت اسلام کی حفاظت و حمایت کے فرض میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور سخت سے سخت حالات میں بھی قدمِ استقلال میں جنبش نہیں آئی۔ اسی لئے ان میں سے ہر ایک بزرگ کی سیرت زندگی کی عملی دنیا میں ہمارے دل میں ہمت، عزم میں پختگی اور قدم میں استقلال پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بالخصوص ایسے وقت جبکہ ہر طرف سے تباہیاں اور بربادیاں امنڈ امنڈ کر چھا رہی ہیں اور ہمارے آرام، سکون اور مذہبی تحریک کو دھمکیاں دے رہی ہیں۔ لہٰذا ایسے رہنمایانِ دین کے حالاتِ زندگی کے پیش ہونے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اسی لئے "دسویں امام" کے حالات میں یہ رسالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نام ونسب

اسم مبارک علیؑ، کنیت ابوالحسن اور لقب نقی ہے چونکہ آپ سے پہلے حضرت علی مرتضیٰؑ اور امام رضاؑ کی کنیت ابوالحسن ہو چکی تھی اس لئے آپ کو "ابوالحسن ثالث" کہا جاتا ہے۔ والدہ معظمہ آپ کی سمانہ خاتون تھیں۔

ولادت اور نشوونما

۵ رجب ۲۱۴ھ مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ صرف چھ
اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ زندگی بسر کی۔ اسکے بعد اس کمسنی
عالم میں آپ اپنے والد بزرگوار سے جدا ہو گئے۔ امام محمد تقیؑ کو عراق کا سفر درپیش تھا اور ذی
ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں حضرت کی وفات ہو گئی جس کے بعد امامت کی ذمہ داریاں امام علی نقیؑ
کاندھے پر آگئیں۔ اس صورت میں سوائے قدرت کی آغوش تربیت کے اور کون گہوارہ
تھا جسے آپ کے علمی اور عملی کمال کی بلندیوں کا مرکز سمجھا جا سکے۔

انقلابات سلطنت

حضرت امام علی نقیؑ کا دور امامت معتصم عباسی کے زمانہ سلطنت
سے شروع ہوا۔ ۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہوا
واثق باللہ کی حکومت شروع ہوئی۔ ۲۳۲ھ میں واثق دنیا سے رخصت ہوا اور متوکل جیسا
ظالم و سفاک دشمن اہلبیتؑ متوکل تخت حکومت پر بیٹھا۔ ۲۴۷ھ میں متوکل ہلاک
ہوا اور منتصر باللہ خلیفہ تسلیم کیا گیا جو صرف چھ مہینہ سلطنت کرنے کے بعد مر گیا
مستعین باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ ۲۵۲ھ میں مستعین کو حکومت سے دست بردار ہو کر جان
ہاتھ دھونا پڑے۔ اور معتز باللہ بادشاہ تھا۔ یہی امام علی نقیؑ کے زمانے کا آخری بادشاہ

آلام و مصائب

معتصم نے خواہ اپنی ملکی پریشانیوں کی وجہ سے جو اسے رومیوں کے
جنگ اور بغداد کے دار السلطنت میں عباسیوں کے فساد و
کی وجہ سے درپیش تھیں اور خواہ امام علی نقیؑ کی کمسنی کا خیال کرتے ہوئے بہر حال
سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ سکون و اطمینان کے ساتھ مدینہ منورہ میں
فرائض پورے کرنے میں مصروف رہے۔
معتصم کے بعد واثق نے بھی آپکے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا مگر متوکل

سلطنت پر بیٹھنا تھا کہ امام علی نقیؑ پر تکالیف و مصائب کا سیلاب امنڈ آیا
واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا تھا اور آلِ رسولؐ کی دشمنی میں اپنے تمام آباؤ اجداد
بڑھا ہوا تھا۔

اس سولہ برس میں کہ جب سے امام علی نقیؑ منصب امامت پر فائز ہوئے
کی شہرت تمام مملکتِ اسلامی میں پھیل چکی تھی اور تعلیمات اہلبیتؑ کے پروانے اس
ہدایت پر برابر ٹوٹ رہے تھے۔ ابھی متوکل کی سلطنت کو چار برس ہوئے تھے
مدینہ کے حاکم عبداللہ بن حکم نے امامؑ سے مخالفت کا آغاز کیا۔ پہلے تو خود حضرتؑ
مختلف طرح کی تکلیفیں پہنچائیں پھر متوکل کو آپ کے متعلق اسی طرح کی باتیں
جیسی سابق سلاطین کے پاس آپ کے بزرگوں کی نسبت ان کے دشمنوں کی
سے پہنچائی جاتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت اپنے گرد و پیش اسباب سلطنت
کر رہے ہیں آپ کے ماننے والے اتنی تعداد میں بڑھ گئے ہیں کہ آپ
چاہیں حکومت کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔

حضرتؑ کو اس تحریر کی بر وقت اطلاع ہو گئی اور آپ نے اتمام حجت کے طور پر
ساتھ متوکل کے پاس اپنی جانب سے ایک خط تحریر فرما دیا جس میں حاکم مدینہ کی اپنے
ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اسکی غلط بیانیوں کا اظہار فرمایا تھا۔ متوکل نے از راہ سیاست
نقیؑ کے خط کو وقعت دیتے ہوئے مدینہ کے اس حاکم کو معزول کر دیا۔ مگر ایک فوجی
کو یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں بھیج کر حضرت سے بظاہر دوستانہ انداز میں
یہ خواہش کی کہ آپ مدینہ سے دارالسلطنت سامرہ تشریف لا کر کچھ دن
فرمائیں اور پھر واپس تشریف لے جائیں۔

امام علیہ السلام اس التجا کی حقیقت سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے ۔ نیازمندانہ دعوتِ تشریف آوری حقیقت میں جلاوطنی کا حکم ہے مگر انکار کا کوئی حاصل نہ تھا جب کہ انکار کے بعد اسی طلبی کے انداز کا دوسری شکل اختیار کر لینا یقینی اور اس کے بعد روانگی ناگزیر ۔ بیشک مدینہ سے ہمیشہ کیلئے جدا ہونا آپ کے قلب کیلئے ویسا ہی تکلیف دہ ایک صدمہ تھا جیسے اس کے پہلے حضرت امام حسینؑ امام موسیٰ کاظمؑ، امام رضاؑ اور امام محمد تقی علیہ السلام آپ کے مقدس اور بلند مرتبہ اجداد برداشت کر چکے تھے وہ اب آپ کے لئے ایک میراث بن چکا تھا پھر بھی دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپکے تاثرات اتنے شدید تھے جس سے احباب و اصحاب میں ایک کہرام برپا تھا ۔

متوکل کا عریضہ بارگاہِ امام میں بڑے اخلاص اور اشتیاقِ قدمبوسی کا مظہر تھا ۔ فوجی دستہ ضرور بھیجا گیا تھا ۔ مگر وہ بہ ظاہر سواری کے تزک و احتشام اور امامؑ کی حفاظت کا ایک سامان تھا ۔ مگر جب حضرتؑ سامرے میں پہنچ گئے اور متوکل کو اس کی اطلاع دی گئی تو پہلا اس کا افسوسناک رویہ یہ تھا کہ بجائے امام کے استقبال یا کم از کم اپنے یہاں بلا کر ملاقات کرنے کے اس نے حکم دیا کہ حضرت کو " خان الصعالیک " میں اتار جائے اس لفظ کے معنی ہی ہیں " بھیک مانگنے والے گداؤں کی سرا " اس سے اس جگہ کی نوعیت کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ یہ شہر سے دور ویرانے میں ایک کھنڈر تھا ۔ جہاں امام فروکش ہونے پر مجبور کیا گیا ۔ اگرچہ یہ مقدس حضرات خود فقراء کے ساتھ ہم نشینی کو اپنے عار و ننگ نہیں سمجھتے تھے اور تکلفاتِ ظاہری سے کنارہ کش رہتے تھے مگر متوکل کی نیت تو اس طرز سے بہر حال تحقیر کے سوا اور کوئی نہیں تھی تین دن تک حضرتؑ کا قیام یہاں رہا ۔ اس کے بعد متوکل نے آپکو اپنے حاجب زراقی کی حراست میں نظر بند کر دیا ۔ اور عوام کیلئے آپ سے ملنے

ممنوع قرار دیا۔

وہی بےگناہی اور حقانیت کی کشش جو امام موسیٰ کاظمؑ کی قید کے زمانہ میں سخت سے
ت محافظین کو کچھ دن کے بعد آپکی رعایت پر مجبور کر دیتی تھی اسی کا اثر تھا کہ تھوڑے ہی
ے کے بعد زراقی کے دل پر امام علی نقیؑ کی عظمت کا سکّہ قائم ہو گیا اور وہ آپکو تکلیف دینے
کے بجائے آرام وراحت کے سامان بہم پہنچانے لگا۔ مگر یہ بات متوکل سے زیادہ عرصہ
چھپ نہیں سکتی تھی۔ اسے علم ہو گیا اور اس نے زراقی کی قید سے نکال کر حضرت کو
دوسرے شخص سعید کی حراست میں دے دیا۔ یہ شخص بے رحم اور امامؑ کے ساتھ
تی برتنے والا تھا اسی لئے اس کے تبادلے کی ضرورت نہیں پڑی اور حضرت
ے بارہ برس اس کی نگرانی میں مقید رہے۔ ان تکالیف کے ساتھ جو
قید میں تھے حضرت شب وروز عبادتِ الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ دن
روزہ رکھنا اور رات بھر نمازیں پڑھنا معمول تھا۔ آپ کا جسم کتنے ہی قید و
میں رکھا گیا ہو مگر آپ کا ذکر چار دیواری میں محصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔
یہ تھا کہ آپؑ تو تنگ وتاریک کوٹھڑی میں مقید تھے۔ مگر آپؑ کا
یا سارے بلکہ شاید عراق کے گھر گھر میں تھا۔ اور اس بلند سیرت وکردار کے
ان کو قید رکھنے پر خلقِ خدا میں متوکل کے مظالم سے نفرت برابر پھیلتی جا رہی تھی
اب وہ وقت آیا کہ فتح ابن خاقان باوجود آلِ رسولؐ سے محبت رکھنے
صرف اپنی قابلیت اپنے تدبر اور اپنی دماغی وعملی صلاحیتوں کی بنا پر
کا وزیر ہو گیا تو اس کے کہنے سننے سے متوکل نے امام علی نقیؑ کی قید
بندی سے تبدیل کر دیا۔ اور آپ کو ایک زمین دے کر مکان تعمیر

کرنے اور اپنے ذاتی مکان میں سکونت کی اجازت دے دی۔ مگر اس شرط سے
کہ آپ سامرے سے باہر نہ جائیں گے اور سعید آپ کے نقل وحرکت
اور مراسلات و تعلقات کی نگرانی کرتا رہے گا۔

اس دور میں بھی امامؑ کا استغنائے نفس دیکھنے کے قابل تھا۔ باوجود دارالسلطنت
میں مستقل طور پر قیام کے نہ کبھی متوکل کے سامنے کوئی درخواست پیش کی، نہ کبھی کسی
قسم کے ترحم یا تکرم کی خواہش ظاہر کی۔ وہی عبادت و ریاضت کی زندگی جو
کے عالم میں تھی اس نظربندی کے دور میں بھی رہی۔ جو کچھ تبدیلی ہوئی تھی وہ ظالم کے
رویہ میں تھی مظلوم کی شان جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی قائم رہی۔ اس زمانے
میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ امامؑ کو بالکل آرام وسکون کی زندگی بسر کرنے دی جاتی
مختلف طرح کے تکالیف سے آپ کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ جو جسمانی سے زیادہ روحانی
تھے۔ مثلاً یہ کہ آپ کے مکان کی تلاشی لی گئی کہ وہاں اسلحہ ہیں یا ایسے خطوط ہیں
جن سے حکومت کی مخالفت کا ثبوت ملتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی چیز نہ ملی
مگر یہ تلاشی ہی ایک بلند اور بے گناہ انسان کیلئے کتنی باعث تکلیف چیز ہے
اس سے بڑھ کر یہ واقعہ کہ دربار شاہی میں عین اس وقت آپ کی طلبی ہوتی ہے
جب کہ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ متوکل اور تمام حاضرین دربار طرب ولہو
میں غرق ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ سرکش بے غیرت اور جاہل بادشاہ حضرت کے
سامنے جام شراب بڑھا کر پینے کی درخواست کرتا ہے۔

شریعت اسلام کے محافظ معصوم کو اس سے جو تکلیف پہنچ سکتی ہے
تیر وخنجر سے یقیناً زیادہ ہے۔ مگر حضرتؑ نے نہایت متانت اور صبر وسکون

کے ساتھ فرمایا کہ "مجھے اس سے معاف کیجئے۔ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا خون اور گوشت اس سے کبھی مخلوط نہیں ہوا ہے۔"

اگر متوکل کے احساسات میں کچھ بھی زندگی باقی ہوتی تو وہ اس معصومانہ مگر پُر شکوہ جواب کا اثر ضرور قبول کرتا۔ مگر اس نے کہا کہ اچھا یہ نہیں تو کچھ گانا ہی ہم کو سنائیے۔

حضرتؑ نے فرمایا "میں اس فن سے بھی واقف نہیں ہوں۔"

آخر اس نے کہا کہ آپ کو کچھ اشعار جس طریقے سے بھی آپ چاہیں بہرحال پڑھنا ضرور پڑیں گے۔

کوئی جذبات کی رو میں بہنے والا انسان ہوتا تو اس خفیف الحرکات بادشاہ کے اس حقارت انگیز یا تمسخر آمیز برتاؤ سے متاثر ہو کر شاید اپنے توازن دماغی کو کھو دیتا مگر وہ کوہِ علم و وقار امامؑ کی ہستی تھی جو اپنے کردار کو فرائض کی مطابقت سے تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ دار تھی۔ منہیات کے دائرہ سے نکل کر جب فرمائش اشعار سنانے تک پہنچی تو امامؑ نے موعظہ و تبلیغ کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل سے نکلی ہوئی پُر صداقت آواز سے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے جنہوں نے محفل طرب میں مجلس وعظ کی شکل پیدا کر دی :

باتوا علی قلل الاجبال تحرسهم	غلب الرجال فما اغنتهم القلل
بلند پہاڑوں کی چوٹی پہ پہرے بٹھلا کہ	بہادروں کی حراست میں بچ سکے نہ مگر
واستنزلوا بعد عز من معاقلهم	الی مقابرهم یا بئس ما نزلوا
بلند قلعوں کی عزت جو پست ہو کے رہی	تو کنج قبر میں منزل بھی کیا بری پائی

نادا ھم صارخ من بعد ما دفنوا
این الاسرۃ والتیجان والحلل

صدا یہ ان کو دی ہاتف نے بعد دفن لحد
کہاں ہیں تخت، وہ تاج اور وہ لباس جسد

این الوجوہ التی کانت محجبۃ
من دونھا تضرب الاستار والکلل

کہاں وہ چہرے ہیں جو تھے ہمیشہ زیر نقاب
غبار جن پہ کبھی آنے دیتے تھے نہ حجاب

فافصح القبر عنھم حین سائلھم
تلک الوجوہ علیھا الدود منتقل

زبانِ حال سے بولے جواب میں مدفن
وہ رُخ زمین کے کیڑوں کا بن گئے مسکن

قد طال ما اکلوا فیھا وھم شربوا
فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

غذائیں کھائیں، شرابیں جو پی تھیں حد سے سوا
نتیجہ اس کا ہے خود آج بن گئے وہ غذا

اشعار کچھ ایسے حقیقی تاثرات کے ساتھ امامؑ کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ متوکل کے عیش ونشاط کی بساط الٹ گئی۔ شراب کے پیالے ہاتھوں سے چھوٹ گئے، اور تمام مجمع زار وقطار رونے لگا۔ یہاں تک کہ خود متوکل ڈاڑھیں مار مار کر بے اختیار رو رہا تھا۔ جوں ہی ذرا رونا موقوف ہوا اس نے امامؑ کو رخصت کر دیا اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

ایک اور نہایت شدید روحانی تکلیف جو امامؑ کو اس دور میں پہنچی وہ متوکل کے تشددانہ احکام تھے جو نجف اور کربلا کے زائرین کے خلاف اس نے جاری کئے تھے اس نے یہ حکم عام تمام قلمرو حکومت میں جاری کر دیا کہ کوئی شخص جناب امیرؑ اور امام حسینؑ کے روضوں کی زیارت کو نہ جائے جو بھی اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حکم دیا کہ نجف اور کربلا کی عمارتیں بالکل گرا کر زمین کے برابر

کردی جائیں۔ تمام مقبرے کھود ڈالے جائیں اور قبر امام حسینؑ کے گرد و پیش کی تمام زمین پر کھیت بو دیئے جائیں۔ یہ ناممکن تھا کہ زیارت کے اتناعی احکام پر اہلبیتؑ کے جان نثار آسانی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس سلسلے میں ہزاروں بے گناہوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقتول کا صدمہ امامؑ کے دل پر اتنا ہی ہوتا تھا جتنا کسی اپنے ایک عزیز کے بے گناہ قتل کیے جانے کا حضرت کو ہو سکتا تھا۔

پھر آپؑ ظلم و تشدد کے ایک ایسے ماحول میں گھیر رکھے گئے تھے کہ آپؑ وقت کی مناسبت کے لحاظ سے ان لوگوں تک کچھ مخصوص ہدایات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے جو ان کے لئے صحیح فرائض شرعیہ کے ذیل میں اس وقت ضروری ہوں۔ یہ اندوہناک صورت حال ایک دو برس نہیں بلکہ متوکل کی زندگی کے آخری وقت تک برابر قائم رہی۔

اور سنئے کہ متوکل کے دربار میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی نقلیں کی جاتی تھیں اور ان پر خود متوکل اور تمام اہل دربار ٹھٹھے لگاتے تھے۔

یہ ایسا اہانت آمیز منظر ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ خود متوکل کے بیٹے سے رہا نہ گیا اس نے متوکل سے کہا کہ خیر آپ اپنی زبان سے حضرت علیؑ کے بارے میں کچھ الفاظ استعمال کریں تو کریں مگر جب آپ اپنے کھران کا عزیز قرار دیتے ہیں تو ان کم بختوں کی زبان سے حضرت علیؑ کے خلاف ایسی باتوں کو کیونکر گوارا کرتے ہیں اس پر بجائے کچھ اثر لینے کے متوکل نے اپنے بیٹے کا فحش آمیز تمسخر کیا۔ اور

دو شعر نظم کر کے گانے والوں کو دیئے جس میں خود اس کے فرزند کے لئے ماں کی گالی موجود تھی۔ گویّے ان شعروں کو گاتے تھے اور متوکل قہقہے لگاتا تھا۔

اسی دور کا ایک اور واقعہ بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں ہے۔ ابن السکیت بغدادی علم نحو و لغت کے امام مانے جاتے تھے اور متوکل نے اپنے دو بیٹوں کی تعلیم کے لئے انہیں مقرر کیا تھا۔ ایک دن متوکل نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت ہے یا حسینؑ و حسنؑ سے۔ ابن السکیت زمانے کی مجبوریوں سے متوکل کے نوکر ضرور تھے مگر دل میں محبت اہلبیتؑ کی روشنی رکھتے تھے۔ اس سوال کو سن کر بے تاب ہو گئے اور انھوں نے متوکل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھڑک کہدیا کہ حسنؑ و حسینؑ کا کیا ذکر مجھے تو علیؑ کے غلام قنبر کے ساتھ ان دونوں سے کہیں زیادہ محبت ہے بس اس جواب کا سننا تھا کہ متوکل غصے سے بے خود ہو گیا۔ حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ یہی ہوا اور اس طرح سے یہ آلِ رسولؐ کے فدائی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان واقعات کا براہِ راست جسمانی طور پر حضرت امام علی نقیؑ سے تو کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر بخدا ان میں کی ہر ہر بات ایک تلوار کی دھار تھی جو گلے پر نہیں دل پر چلا کرتی تھی۔ متوکل کا ظالمانہ رویہ ایسا تھا جس سے کوئی بھی دور یا نزدیک کا شخص اس سے خوش یا مطمئن نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ اس کی اولاد تک اس کی جانی دشمن ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسی کے بیٹے منتصر نے اس

کے بڑے مخصوص غلام باغر رومی کو ملاکر خود منتوکل ہی کی تلوار سے عین اس کی خوابگاہ میں اسکو قتل کردیا۔ جس کے بعد لوگوں کو اس ظالم انسان سے نجات ملی اور منتصر کی خلافت کا اعلان ہوگیا۔

منتصر نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے تشددانہ احکام کو یک لخت منسوخ کردیا۔ نجف اور کربلا کی زیارت کے لئے عام اجازت دے دی اور ان مقدس روضوں کی کسی حد تک تعمیر کرادی۔ امام علی نقیؑ کے ساتھ بھی اس نے کسی خاص تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مگر منتصر کی عمر طولانی نہیں ہوئی۔ وہ چھ ہی مہینے کے بعد دنیا سے اٹھ گیا۔ منتصر کے بعد مستعین کی طرف سے امامؑ کے خلاف کسی خاص بدسلوکی کا برتاؤ نظر نہیں آتا۔ امام علیہ السلام نے چونکہ مکان بناکر مستقل قیام اختیار فرمالیا تھا۔ اس لئے یا تو خود آپ ہی نے مناسب نہیں سمجھا یا پھر ان بادشاہوں کی طرف سے آپ کے مدینہ واپس جانے کو پسند نہ کیا گیا ہو بہرحال جو بھی وجہ ہو قیام آپ کا سامرہ ہی میں رہا۔ اتنے عرصہ تک حکومت کی طرف سے مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے علوم اہلبیتؑ کے طلبگار ذرا اطمینان کے ساتھ کثیر تعداد میں آپ سے استفادہ کے لیے رجوع ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے مستعین کے بعد معتز کو پھر آپ سے پرخاش پیدا ہوئی اور اس نے آپ کی زندگی ہی کا خاتمہ کردیا۔

اخلاق و اوصاف حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلۂ عصمت کی ہر فرد کے

اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے - قید خانہ اور نظر بندی
کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ، ہر وقت اور ہر حال میں یادِ الٰہی، عبادت، خلقِ خدا سے استغنا،
ثباتِ قدم، صبر، استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا، دشمنوں کے
ساتھ بھی حلم و مروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا، یہی
اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرت و زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں -

قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے آپ کے مصلے کے سامنے ایک قبر کھدی
ہوئی تیار رہتی تھی - دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت و دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے
فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال قائم رکھنے کے لئے یہ قبر اپنی نگاہوں کے
سامنے تیار رکھتا ہوں حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبہ اطاعت اور
اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک
عملی جواب تھا - یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ
جان کا لے لینا مگر جو شخص موت کے لئے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی
قبر اپنے سامنے رکھے وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سرِ تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور
کیا جا سکتا ہے - مگر اس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت
وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری
رہا کہ باوجود دارالسلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی
نظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح نہیں ثابت ہو سکا اور کبھی سلاطین
وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی - باوجودیکہ
سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دارالسلطنت

میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اس کے بیٹے منتصر کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغر رومی کی اس سے دشمنی، منتصر کے بعد امرائے حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ۔ مستعین کے دور حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج۔ اور حسن بن زید الملقب بداعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا پھر دارالسلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت۔ مستعین کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا۔ آخر کو حکومت سے دست برداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترنا، پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مؤید کی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا۔

ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقیؑ کی شرکت کا شبہ تک نہ پیدا ہونا کیا اس طرز عمل کے خلاف نہیں ہے جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والے انسانوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابلے میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کی رو سے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ ان کے ہاتھوں انھیں جلا وطنی قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے مگر وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کا کامل مظہر دنیاوی ہنگامی اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنی بے لوث

حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالف پر پس پشت سے حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطۂ نگاہ اور معیارِ عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔

وفات

معتز باللہ کے دور میں تیسری رجب ۲۵۴ھ کو سامرے میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کے پاس صرف آپ کے فرزند امام حسن عسکریؑ موجود تھے۔ آپ ہی نے اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کے فرائض انجام دیئے اور اسی مکان میں جس میں حضرت کا قیام تھا۔ ایوانِ خاص میں آپ کو دفن کر دیا۔ وہیں اب آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔ اور عقیدت مند زیارت سے شرف یاب ہوتے ہیں۔ (ختم شد)

نظامِ اسلام میں چہاردہ معصومینؑ کی ذواتِ مقدسہ کی اہمیت وعظمت کی یہ حیثیت ہے کہ ہر انسان پر انکی معرفت، محبت اور اطاعت واجب و لازم۔ کما قال شافعیؒ

یا اہلَ بیتِ رسولِ اللہِ حبُّکمُ — فرضٌ من اللہِ فی القرآنِ انزلَہُ
کفاکمُ من عظیمِ القدرِ انّکمُ — من لم یصلِّ علیکم لا صلوٰۃَ لہُ

(اے اہل بیت محمدؐ خدا نے قرآن نازل فرماکر ہر ایک جن و بشر پر آپکی محبت فرض کردی ہے۔ آپ حضرات کی بزرگی شان اور فضیلتِ مرتبت کے اظہار کے لئے یہ کیا کم ہے کہ جو مسلمان آپ پر درود و سلام نہ بھیجے اسکی (بہترین عبادت) نماز بھی خدا کے نزدیک قبول نہیں)

(مطبوعہ:- تعلیمی پریس لاہور)